منیبہ صائمہ
پی ایچ ڈی سکالر
فیڈرل اُردو یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، اسلام آباد
ڈاکٹر ناہید قمر
فیڈرل اُردو یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، اسلام آباد

زبان تہذیبی تشخص کی ایک اہم علامت
(فکرِ اقبال کی روشنی میں)

Language is an important index of civilization identity. In Indo-Pak Subcontinent the way clash of civilizations affected local languages were clearly elaborated by Iqbal. In Iqbal's opinion the language of nation can only survives if it is strong enough to retain identity during the clash of civilization. In order to remove identity of Muslims' civilization in subcontinent, Sanskrit was mixed in their local languages, sometimes civilization war was initiated by declaring Urdu, Arabic and Persian languages and Muslim specific languages. English men purposefully encouraged racial conflicts and initiated civilization clashes in subcontinent likewise, English language severely affected Urdu language. In Iqbal's opinion, this clash of civilization created a big gap between Muslims and their local languages. Iqbal always appreciated the people who contributed in the progress and dissemination Urdu of language.

تہذیبی تشخص کی ایک اہم علامت زبان ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تہذیبی آویزش نے مقامی زبانوں کو جس طرح متاثر کیا اقبال اس سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس کا اندازہ اردو زبان پر لکھے گئے ان کے تحقیقی مقالات (اُردو زبان، اُردو زبان پنجاب) سے ہوتا ہے۔ اقبال کے نزدیک صرف اسی قوم کی زبان زندہ رہ سکتی ہے جو تہذیبی آویزش میں جہد للبقا کے اصول کے مطابق اپنی ہستی قائم رکھ سکے۔

''ایک زمانہ تھا جب یونانی، لاطینی اور سنسکرت وغیرہ زندہ زبانیں تھیں، مگر اب ایک عرصہ سے یہ زبانیں مردہ

ہو چکی ہیں۔ان کی موت کا راز اس قانون کا عمل ہے اور خود پنجابی.....سینکڑوں الفاظ جو تعلیم یافتہ لوگوں کے روزمرہ استعمال میں ہیں مگر اس زبان میں موجود نہیں۔اظہارِ خیال کے جدید طریق ہماری عقلی ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔یہ زبان ان کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔''(۱)

برصغیر پاک و ہند میں ایک تو مقامی سطح پر تہذیبی آویزش نے زبان کو متاثر کیا بلکہ ۱۸ویں صدی میں بنگالی زبان پر سنسکرت نے جس طرح قبضہ جمایا اس حوالے سے شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''اٹھارویں صدی تک بنگالی زبان میں بہت سے عربی، فارسی الفاظ داخل تھے۔لیکن انیسویں صدی میں بنگالی زبان پر بڑے دوررس تغیرات کا عمل ہوا۔انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی نثری ادب کی طلب پیدا کی گئی اور اس ادب کے بہم پہنچانے کا کام سنسکرت کے رسیا پنڈتوں کے حصے میں آیا لیکن ان کی نثر کے نمونے انیسویں صدی کے وسط تک ملتے ہیں ان سے زیادہ بھیانک کسی بھاکا کا تصور بھی مشکل ہے۔تقریباً ۹۰ فیصد اصلی بنگالی الفاظ خارج کر دیے گئے اور ان کی جگہ سنسکرت کے ایسے الفاظ کو دے دی گئی تھی جن کا صحیح تلفظ یہ لکھنے والے خود بھی نہیں کر سکتے تھے۔''(۲)

یہی حال ہندوستان کی دیگر زبانوں کا تھا۔ہندوؤں نے جان بوجھ کر مسلمانوں کی زبانوں میں سنسکرت کی آمیزش کر کے ان کے تہذیبی تشخص کو ختم کرنے کی کوشش کی۔یہی وہ ہے کہ آج بھی مسلمانی بنگالی، ودیاساگر اور بنکم چندر چٹرجی کی ''سادھو بنگالی'' سے کہیں زیادہ پاکستان کی دوسری مسلمان بولیوں سے ملتی جلتی ہے کیونکہ ان کا تہذیبی سرچشمہ ایک ہے۔

تعلیم تہذیب کا حصہ ہے اور تہذیب کے ارتقا میں مدد و معاون، ہندوستان میں اس وقت تہذیبی آویزش عروج پر پہنچ جاتی ہے جب ۱۸۱۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں کو صنعتی سرمایہ داروں نے مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کے باشندوں کی تعلیم پر دس ہزار پونڈ صرف کرے اور ۱۸۳۳ء میں جب اس چارٹر کی تجدید ہوئی تو کمپنی کو مزید اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ سول سروس پر مجبور کرے۔جس کے پس پردہ دو مقاصد تھے ایک یہ کہ ہندوستانی معاشرت میں زمین دار طبقہ کے ساتھ ساتھ ایسا پڑھا لکھا متوسط طبقہ پیدا کرنا جو انتظامی امور میں ان کا ہاتھ بٹائے اور دوسرا یہ کہ وہ ان کے تہذیبی مشن کی تاویل ہندوستانی عوام سے کر سکے۔(۳)

انگلستان میں صنعتی سرمایہ داروں کا طبقہ اس وقت برسرِ اقتدار آتا ہے۔جبکہ وہاں ۱۸۳۰ء میں ریفارم بل پاس ہوتا ہے اور وہاں کی حکومت میں متوسط طبقے کی نمائندگی شروع ہوتی ہے چنانچہ ہندوستان میں جتنے بھی سماجی اصلاحات قوانین کے ذریعے نافذ کیے گئے وہ سب کے سب اسی زمانہ کے بعد کے ہیں۔انھیں قوانین میں ۱۸۳۵ء کا وہ قانون بھی تھا جس کی رو سے ہندوستان میں مغربی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعے نافذ کی گئی اور انگریزی زبان کو فارسی زبان کی جگہ مرکزی حکومت اور عدالت عالیہ کی سرکاری زبان قرار دیا گیا۔

ہندوستانی ذہن کو فتح کرنے کی یہ کوشش ایک تہذیبی آویزش کی صورت اسی وقت سے اختیار کرتی نظر آتی ہے۔اس کی تصدیق لارڈ میکالے کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:

''ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا ہے جو رنگ وخون میں ہندوستانی ہو لیکن مذاق اور اخلاق اور ذہن میں انگریزی ہو۔''(۴)

گویا اُردو کو رواج دینے کے بہانے پہلے فارسی کو ۱۸۳۷ء میں ختم کیا گیا اور اس ملی رشتے کو کاٹ دیا گیا جس میں بنگال سے لے کر سرحد تک کے مسلمان ذہنی طور پر پروئے ہوئے تھے اور پھر اُردو کی جگہ انگریزی کو مستقلاً مسلط کر دیا گیا۔ساتھ ہی ہندوؤں کو اکثریتی قوم کی حیثیت سے اُبھارنے اور مسلمانوں کی تہذیبی برتری پر کاری ضرب لگانے کی غرض سے اُردو کے مقابلے میں ہندی زبان کی سرپرستی کی گئی۔کیونکہ انگریز مسلمانوں کو اپنے لیے مستقل خطرہ سمجھتے تھے۔اس لیے انھوں نے ایسے اقدامات کیے جن سے مسلمانوں کی تہذیبی تشخص کو چوٹ لگتی تھی اور زبان اس کا اہم ذریعہ تھی۔(۵)

۱۸۴۰ء کو ایک اردو سرکلر مما لک مغربی وشمالی (یو۔پی) کے صدر آف ریونیو نے جاری کیا جس میں کہا گیا کہ:

''صاحبان کمشنر کو لحاظ رکھنا چاہیے کہ سررشتہ کی جو عرضیاں یا روبکاریاں ہوں وہ اردو زبان میں لکھی جائیں۔''(۶)

لیکن اردو کی یہ ترویج کوئی جذبہ خیر سگالی کے تحت نہیں تھی بلکہ ایک تہذیبی آویزش پیدا کرنے کی صورت تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک طرف اردو کے مقابلے پر دوسری علاقائی زبانوں کو لایا جاتا رہا۔دوسری طرف ایسی زبانیں رائج کی گئیں جو تہذیب کی مرکزیت پر اثر انداز ہو سکتی تھیں (اردو ہندی تنازع اس کا منطقی نتیجہ تھا) بنگالی میں سنسکرت الفاظ کی بھرمار اور رسم الخط کو ناگری بنا دیا گیا' پنجابی کی جگہ گورمکھی کو رواج دیا گیا۔انگریز جان بوجھ کر ایسی لسانی آویزش پیدا کرنا چاہتے تھے جہاں ہر صوبے کو لوگ جدا جدا زبان رکھتے ہوئے بھی گونگے نظر آئیں۔لیکن اس لسانی اختلاف نے تہذیبی آویزش کو اس وقت انتہا پر پہنچایا جب اردو ہندی تنازعہ پیدا ہوا۔اس حوالے سے ڈاکٹر ساجد امجد لکھتے ہیں:

''ہندی کو فروغ دینے کی کوشش میں نہ صرف اردو کو ناقابل تلافی اختلاف پہنچا بلکہ ہندو مسلم تعلقات میں ایسی خلیج پیدا کر دیا ہے۔جو وقت کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتی چلی گئی۔اس کے ساتھ ہی تہذیبی اشتراک میں ایسی دراڑیں پڑ گئیں جن کے ذریعے مغربی تہذیب درانہ داخل ہوتی چلی گئی اور ہم اسے روکنا تو درکنا خود اس پر ایمان لانے پر مجبور ہو گئے۔''(۷)

بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں اردو ہندی تنازع نے شدت اختیار کر لی۔۱۸۵۷ء کے بعد ہندوؤں نے ہندی کو رائج کروانے کے لیے منظم کوششیں شروع کیں۔۱۸۶۸ء میں باقاعدہ درخواست کی گئی کہ فارسی کی جگہ دیوناگری رسم الخط جاری کیا جائے۔اور بالآخر ۱۹۰۰ء میں انھیں سر انٹونی میکڈانل کے عہد میں کامیابی حاصل ہوئی:

''یہ لسانی تبدیلی نہ صرف صوبہ جات متحدہ بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے زبردست تشویش پیدا کر رہی تھی۔ اس تبدیلی سے ان کی صدیوں پُرانی تہذیب وثقافت برباد ہوتی نظر آ رہی تھی۔''(۸)

اردو بچاؤ تحریک کا مرکز علی گڑھ بن گیا(۹)

اُردو ہندی لسانی تنازع نے مسلمانوں کے لاشعور میں اس بات کو مزید مستحکم کیا کہ برصغیر میں ان کے تہذیبی وثقافتی وجود کے لیے ہندو قوم پرستی مسلسل تشویش پیدا کر رہی ہے اور اقبال ۱۹۰۹ء میں اس حقیقت کو سمجھ چکے تھے جس کا اظہار وہ غلام قادر فرخ امرتسری کے نام ایک خط میں کرتے ہیں:

''قومی شخصیت کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے ضروری ہے ہندوستان میں ایک مشترک قومیت پیدا کرنے کا خیال اگرچہ نہایت خوبصورت ہے.....تاہم موجودہ حالت اور قوموں کی نادانستہ رفتار کے لحاظ سے ناقابلِ عمل ہے۔''(۱۰)

اقبال کے نزدیک زبان تہذیب وتمدن اور معاشرت کا اظہار ہے ان کے نزدیک ابھی کل کی بات ہے کہ اردو جامع مسجد کی سیڑھیوں تک محدود تھی مگر بعض خصوصیات کی وجہ سے اس میں بڑھنے کا مادہ تھا اس لیے اس بولی نے ہندوستان کے دیگر حصوں کو بھی تسخیر کرنا شروع کر دیا اور کیا تعجب ہے کہ کبھی تمام ملک ہندوستان اس کے زیرِ نگین ہو جائے ان کے نزدیک:

''ایسی صورت میں یہ ممکن نہیں کہ جہاں جہاں اس کا رواج ہو وہاں کے لوگوں کا طریق معاشرت ان کے تمدنی حالات اور اُن کا طرزِ بیان اس پر اثر کیے بغیر رہے۔ علم السنہ کا یہ ایک مسلم اصول ہے جس کی صداقت اور صحت تمام زبانوں کی تاریخ سے واضح ہوتی ہے۔''(۱۱)

مضمون ''اردو زبان'' میں بھی اردو زبان کے آغاز میں تہذیبی آمیزش اور آویزش کا ذکر کرتے ہیں:

''ہندوستان میں فاتحوں اور مفتوحوں کی زبان کی آمیزش سے اردو زبان پیدا ہوتی ہے۔ فارسی بولنے والے مسلمان سپاہی جن کو روزمرہ کے کاروبار میں دہلی اور آگرہ کے باشندوں کے ساتھ واسطہ پڑتا تھا اس آمیزش کے اور بھی ممد ہوئے۔''(۱۲)

اقبال کے نزدیک اردو نثر کی ترقی کے تین بڑے قومی اسباب میں سے ایک چھاپہ خانہ کی ترویج، دوم انگریزی زبان میں تعلیم اور اردو زبان کا فارسی کی بجائے درباری زبان قرار دینا ہے۔ اقبال اردو زبان پر دیگر زبانوں کے اثرات کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ''فی زمانہ انگریز زبان کی طرزِ تحریر اُردو زبان پر بہت بڑا اثر کر رہی ہے۔ موجودہ اردو اخبارات اور تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی بولی انگریزی الفاظ واصلاحات سے معمور ہوتی ہے''۔(۱۳)

اقبال ان زبانوں کی تحصیل پر زور دیتے ہیں جن کا تعلق مسلم تہذیب سے ہے بالخصوص عربی اور فارسی۔ لیکن تہذیبی آویزش نے

مسلمانوں کو ان دونوں زبانوں سے غافل کر دیا ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ انگریزوں کی طرف سے ٹھونسا گیا نظام تعلیم اور حصول تعلیم کے لیے ذریعہ زبان یعنی انگریزی کی ترویج ہے۔

اور یہ اہل ِ کلیسا کا نظام ِ تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف (۱۴)

اقبال عربی زبان کی دلکشی (Charm) کے بے حد قائل تھے ان کا خیال تھا کہ دنیا کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خود ان کے شعر کا بنیادی آہنگ بھی حجازی ہے ان کے کلام میں جواں مردی اور حرکت و عمل کا پیغام بھی اسی اثر کا نتیجہ ہے۔ ان کے نزدیک:

''زبان بھی اتحاد کا کتنا بڑا ذریعہ ہے افسوس ہے یورپ کے استیلا نے اس رشتے کا بھی خاتمہ کر دیا۔ کتنے مسلمان ہیں جو عربی جانتے ہیں اور اپنا مافی الضمیر اس میں ادا کر سکتے ہیں۔ حالانکہ عربی ہماری بین الاقوامی زبان ہے۔ ہمارے دینی، ثقافتی اور ادبی رابطے کا ایک عظیم سرچشمہ ہے۔'' (۱۵)

اُردو زبان دراصل ہندوستان کی ایک مشترکہ تہذیب کی مظہر ہے لیکن ہندوؤں نے جان بوجھ کر اس زبان سے علیحدگی اختیار کی۔ جس کے باعث یہ ہندوستانی مسلمانوں کے تشخص کے اظہار کے لیے ایک اہم علامت اور نشان بن گئی۔ اقبال کا مطالعہ اس سلسلے میں دلچسپ ہے۔ انیسویں صدی کے آخر نصف میں پنجاب میں پنجابی کے علاوہ اُردو بھی ادبی اظہار کا ایک اہم ذریعہ بن گئی تھی اور پنجاب نے پنجابی بولی کی طرح، اردو کو ایک ادبی زبان کی طرح برتا۔ اقبال نے جب شاعری شروع کی تو پنجابی میں نہیں اردو میں۔ اقبال عام بول چال میں پنجابی استعمال کرتے رہے۔ مگر ان کے ادبی اظہار کا ذریعہ پہلے اردو اور پھر فارسی رہی۔ اردو کو انھوں نے دہلی اور لکھنو کی قید سے آزاد کر کے، پنجاب کی اردو کو ایک مستند حیثیت دی۔ آج بھی لاہور برصغیر میں اردو کا سب سے بڑا اشاعتی مرکز ہے۔ یہی حال ہندوستان کا بھی ہے برصغیر پاک و ہند میں مسلمان علاقائی زبان جاننے کے باوجود اردو کو ہی اپنے تہذیبی تشخص کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے مولوی عبدالحق کو یہ مشورہ دیا تھا کہ انجمن ترقی اُردو ہند کا صدر دفتر دہلی کی بجائے لاہور میں قائم کیا جائے۔ اقبال جس تہذیبی سرمائے کی بات کرتے ہیں وہ صرف اسلامی عقاید اور عبادات و قوانین نہیں بلکہ وہ اس تہذیبی سرمایے کی بھی بات کرتے ہیں جو اسلامی دنیا کی دین ہے اور جس میں عرب و عجم دونوں شامل ہیں۔ تشخص کی ان ابعاد میں تصادم بھی ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ان کے درمیان بقائے باہمی بھی موجود ہے۔ (۱۶)

آریہ سماجی فرقے سے تعلق رکھنے والے بھائی پرمانند نے ۱۹۲۳ء میں ''آریہ سماج اور ہندو سنگھٹن'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا مرکزی خیال یہ تھا کہ ہندوستان کی تاریخ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کی صدیوں پرانی سماجی آویزش اور عسکری چپقلش کی داستان ہے اور یہ آویزش زبان اور مذہب کی وجہ سے ہے۔ (۱۷)

۱۹۳۵ء کے آئین کے نفاذ کے بعد ہندو اکثریتی صوبوں میں اردو کو دبانے کے لیے کانگریسی لیڈروں نے تقریروں، دفتری سرکاری کاغذات میں ہندی کا عمل دخل بڑھانا شروع کر دیا اور عربی اور فارسی کے الفاظ کو چن چن کر نکالا گیا۔ مولوی عبدالحق نے مسلمانوں کی یہ

شکایت گاندھی تک بذات خود پہنچائی لیکن گاندھی کا رویہ بدلا ہوا تھا اور اس نے اردو کو ''مسلمانی'' زبان قرار دیا جو قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اس سے اس کے تہذیبی تعصب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اقبال کو اردو سے بے پناہ محبت تھی۔ انھوں نے اردو زبان کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو کو اقبال نے اپنے کلام کے باعث زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ مولوی عبدالحق کے نام ایک خط میں وہ بتاتے ہیں کہ میری لسانی عصبیت، میری دینی عصبیت سے کم نہیں۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ اردو نہ صرف سارے برصغیر کی زبان بنے بلکہ بیرونِ ملک بھی اپنے لیے ایک نمایاں مقام پیدا کرے۔ ان کا خیال تھا کہ مولوی عبدالحق کے ہاتھوں بھی وہی کام انجام پا رہا ہے جو سرسید نے اپنے زمانے میں اردو کی حمایت اور ترقی کے لیے کیا تھا۔ (۱۸)

اقبال کے نزدیک اردو اس قدر اہمیت کی حامل تھی کہ جب انھوں نے اپنے بچوں کی تعلیم تربیت کے لئے استانی کی تلاش کی تو دیگر شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ضروری قرار دی کہ وہ اردو زبان پڑھا سکتی ہو: ''دینی اور اخلاقی تعلیم دے سکتی ہو۔ یعنی قرآن اور اردو پڑھا سکتی ہو، عربی اور فارسی بھی جانے تو اور بھی بہتر ہے اور آپن ایسی ہی ملازمہ کا انتخاب کیا۔ (۱۹)

اقبال چاہتے تھے کہ اردو زبان کی نشو ونما اور ارتقا کے بارے میں باقاعدہ ایک تاریخ مدون کی جائے اسی لیے سید نصیرالدین ہاشمی نے جب ''یورپ میں دکنی مخطوطات'' انھیں بھیجی تو انھوں نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے لکھا:

> ''یہ کتاب اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ میں مفید ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی مفید تالیفات لکھنے میں کامیاب ہوں گے۔ ابھی بہت سے مواد کا جمع ہونا اور بہت سی کتب کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے تا کہ اردو کے ارتقا کی ایک صحیح تاریخ مدون ہو سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ قابل قدر ہے۔'' (۲۰)

نصیرالدین ہاشمی کی کتاب ''دکن میں اردو'' پڑھنے کے بعد بھی اقبال کے خیالات یہی تھے کہ:

> ''اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ کے لیے جس قدر مسالہ ممکن ہو جمع کرنا ضروری ہے غالباً پنجاب میں بھی کچھ پرانا مسالہ موجود ہے اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہوگئی تو مورخ اردو کے لیے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔'' (۲۱)

حافظ محمود شیرانی کی اردو زبان میں تحقیقات کی وجہ سے وہ ان کے قدر دان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انھیں ملازمت سے سبکدوش کیا گیا تو اقبال نے وائس چانسلر پنجاب یونی ورسٹی کو خط لکھا جس کا مضمون کچھ یوں تھا:

> ''انھوں نے اردو، فارسی ادب میں چند مسائل پر حد درجہ انفرادی اور اچھوتی تحقیق و تدقیق کی ہے۔ ان کی تصنیف ''پنجاب میں اردو'' کی پذیرائی بطور ایک ایک تحقیقی کارنامہ کے نہ صرف عوام بلکہ ہندوستان کے مختلف ادبی اداروں میں بھی ہوئی ہے۔..... یہ کتاب ایم اے کے کورس میں داخل ہے۔..... انھوں نے اتنی کثیر تعداد میں اچھوتے مقالے لکھے ہیں کہ ان کا شمار یہاں مشکل ہے..... وہ اس وقت ملازمت سے سبکدوش ہو رہے ہیں جب اصل میں وہ اپنے وسیع تجربہ، تبحر علمی اور وسیع النظری کی بدولت مزید متعدد

سالوں تک خود تحقیقی کام کرنے اور ریسرچ کی رہنمائی کے اہل ثابت ہو سکتے ہیں.....میرے خیال میں یہ سنڈیکیٹ کا نہایت ہی افسوسناک فیصلہ رہا۔'' (۲۲)

مولوی عبدالحق کی اردو زبان میں خدمات پر جب انھیں ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی تو اقبال نے اسے خوش آئند قرار دیا۔ وہ اردو زبان وادب کی خدمت کرنے والوں کے قدر دان تھے:

''حقیقت یہ ہے کہ الہ آباد یونی ورسٹی نے آپ کی قدر شناسی کر کے اہل ہنر کی نگاہوں میں مستحق مبارک باد کر لیا ہے اس واسطے آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے الہ آباد یونی ورسٹی کو بھی ان کی نکتہ شناسی پر مبارکباد دیتا ہوں۔'' (۲۳)

اقبال چاہتے تھے کہ انجمن ترقی اردو کا صدر دفتر لاہور میں قائم کیا جائے:

''آپ انجمن اردو سے متعلق ایک پبلشنگ ہاؤس قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی کامیابی بھی لاہور ہی میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک بڑا پبلشنگ سنٹر ہے اور بہت سا طباعت کا کام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔'' (۲۴)

اقبال اردو زبان کو مسلم تہذیبی تشخص کی علامت سمجھتے تھے اور تہذیبی آویزش میں مسلم قوم کی بقا کے لیے لسانی عصبیت کو ضروری قرار دیتے تھے۔ بقول اقبال:

''اگر چہ میں اردو زبان کی بحیثیت زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تاہم میری لسانی عصبیت دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔'' (۲۵)

۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء میں اقبال مولوی عبدالحق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ کاش وہ اپنی زندگی کے باقی دن اردو کی خدمت میں گزاریں:

''اردو کی اشاعت اور ترقی کے لیے آپ کا دلی میں نقل مکان کرنا بہت ضروری ہے.....کاش میں اپنی زندگی کے باقی دن آپ کے ساتھ رہ کر اردو کی خدمت کر سکتا۔'' (۲۶)

بانگِ درا کی ابتدائی نظموں میں انھوں نے جہاں دلی کی تہذیبی آویزش سے دوچار اسلامی تہذیب کے آخری نمائندہ غالب کو ایک بے مثال خراجِ عقیدت پیش کیا ہے وہاں اُردو زبان کی بے چارگی کی طرف بھی ان لفظوں میں اشارہ ہے۔

گیسوئے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے　　شمع یہ سودائی دلسوزی پروانہ ہے (۲۷)

حوالہ جات

۱ ۔ اقبال، قومی زندگی مشمولہ مقالاتِ اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی، لاہور، آئینہ ادب، بارِ دوم ۱۹۸۸ء، ص ۷۸۔

۲ ۔ شیخ محمد اکرام، ثقافتِ پاکستان، مشمولہ کلچر مرتبہ اشتیاق احمد، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۷ء، ص ۳۰۔

۳ ۔ ممتاز حسین، ہمارا کلچر اور ادب، کلچر مرتبہ اشتیاق احمد، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۷ء ص ۵۳۔

۴۔ ایضاً

۵ ۔ ڈاکٹر معین احسن جزبی، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۳۰۔

ڈبلو۔ ڈبلو ھنٹر، ہمارے ھندوستانی مسلمان، مترجم صادق حسین، لاہور، قومی کتب خانہ ۱۹۵۵ء ص ۱۰۔

۶ ۔ مصطفیٰ علی بریلوی، انگریزوں کی لسانی پالیسی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، ۱۹۷۰ء، ص ۶۷۔

۷ ۔ پروفیسر ڈاکٹر ساجد امجد، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص 307۔

۸ ۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، اقبال اور نئی قومی ثقافت، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۷ء ص ۸۵۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ عبدالمجید سالک، ذکرِ اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۳ء، ص ۹۳۔

۱۱۔ اقبال، اردو زبان پنجاب میں، مقالاتِ اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی، ص ۵۲۔

۱۲۔ اقبال، زبانِ اردو، مقالاتِ اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی ص ۴۴۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، لاہور، مکتبہ جمال، ۲۰۰۲ء ص ۹۵۳۔

۱۵۔ سید نذیر نیازی، اقبال کے حضور میں، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص ۵۱۔

۱۶۔ پروفیسر آل احمد سرور، دانشورِ اقبال، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء ص ۷۰۔

۱۷۔ ڈاکٹر عبدالحمید، اقبال بحیثیت مفکرِ پاکستان، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء ص ۳۵۔

۱۸۔ ایضاً ص ۴۱

۱۹۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیب، جلد چہارم، اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برنی، جہلم، بک کارنر، ۲۰۱۶ء، ۴۸۳، ۱۹۹۔

۲۰۔ اقبال، کلیات، مکاتیب جلد سوم مرتبہ سید مظفر حسین برنی، ص ۲۸۰۔

۲۱۔ ،،،، جلد دوم ،، ،، ص ۵۸۷۔

۲۲۔ ،،، جلد دوم ،، ،، ص ۶۷۰، ۶۷۱۔

۲۳۔ ،،، جلد چہارم ،، ،، ص ۶۲۵، ۶۲۷۔

۲۴۔ ،،، جلد چہارم ،، ،، ص ۳۹۴۔

۲۵۔ ،،، جلد چہارم ،، ،، ص ۳۹۴۔

۲۶۔ ،،، جلد چہارم ،، ،، ص ۴۵۳، ۴۵۵۔

۲۷۔ اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۳۔